

ابو عبد اللہ محمد بن کرام

اور ان کے پیروں کی دینی اور تعلیمی گسرہوں کا جائزہ

پروفیسر اقتدار حسین صدیقی

وسط ایشیا جس میں، ماوراء النہر، افغانستان اور خراسان شامل ہیں، ان میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ نوامیہ کے زمانہ میں شروع ہوئی۔ اہم شہروں اور قوچی اہمیت کے مقامات پر عربوں کی آبادیاں قائم ہوئیں۔ ان بسنے والے عربوں میں اسلام کی اشاعت کا جذبہ تھا اور وہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ان علاقوں میں اسلامی فتوحات سے پہلے بدھ مذہب اور زرتشتی مذہب کا زور تھا لیکن اسلامی فتوحات کے بعد جلد ہی مقامی لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ البتہ شہروں کے باہر دیہاتی علاقوں میں مسلم علماء کی صحیح معنی میں پوری توجہ نہیں رہی۔ اس وجہ سے عوام کا اسلام سے تعلق برائے نام ہی رہا۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی ان میں قدیم غیر اسلامی رسم و رواج باقی رہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ دیہات میں نو مسلم عوام کی تعلیم و تربیت کا کوئی معقول انتظام نہ ہو سکا تھا۔ لیکن کبھی کبھی دیندار علماء نے عوام میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور دعوت و تبلیغ کا کام بڑے خلوص سے کیا، اور ان کی مساعی جلیلہ کے باعث عوام میں کسی حد تک علم دین کا فروغ ہوا۔ نویں صدی عیسوی میں ایسے ہی ایک بزرگ ابو عبد اللہ محمد بن کرام سیستانی و نیشاپوری تھے۔ ان کی توجہ کام کر شہروں اور دیہات میں پیشہ و غریب عوام اور کسان تھے۔ اپنی پوری زندگی میں وہ ان کی اصلاح اور تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔ ان کے بعد میں ان کے پیروں کا ایک علیحدہ فرقہ بن گیا جس کو تاریخ کی کتابوں میں کرامیہ فرقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں ہم کرامیہ فرقہ کی تعلیمات اور مختلف ممالک میں اس کی مقبولیت کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

ابو عبد اللہ محمد بن کرام جن کا سن وفات ۲۶۹ھ ہے سیستان (سجستان) میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ نسلاً عرب تھے۔ تعلیم و تربیت کے بعد انھوں نے اسلام کی تبلیغ کے

لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ وہ فطرتاً زہد و تقویٰ کی طرف مائل تھے۔ تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اُن کی توجیہ کار مرکزِ غریب اور نادار مسلم عوام تھے۔ معاصر مومنین نے اُن کو آتشِ بیان مقرر بتایا ہے۔ عوام میں ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جہاں بھی جاتے تھے اصحابِ پیشہ، مزدوروں اور کسانوں کی بڑی جماعت ان کے پیچھے ہو جاتی تھی۔ غالباً ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خائف ہو کر سیستان کے حکمران نے اُن کو وطن کر دیا تھا۔ جلا وطنی کے باعث وہ اپنے وطن سے ہجرت کر کے نیشاپور چلے گئے۔ نیشاپور خراسان کا دارالخلافت ہونے کے علاوہ اسلامی علوم اور ثقافت کا مرکز بن گیا تھا۔ یہاں بھی اُن کا اثر و رسوخ اس قدر بڑھا کہ سامانی گورنر محمد بن طاہر کو خطرہ ہوا کہ وہ کہیں شورش برپا نہ کریں۔ اس زمانہ میں خراسان میں سیاسی انتشار بڑھا ہوا تھا۔ اسمعیلیوں نے قہستان پر قبضہ کر لیا تھا اور برابر کوشش کر رہے تھے کہ اردگرد کے علاقوں میں بھی ان کے حامیوں اور پیرووں کی تعداد بڑھے تاکہ ان کے سیاسی اقتدار کی توسیع ممکن ہو سکے۔ لہذا ابو عبد اللہ محمد بن کرام کو قید کر لیا گیا اور وہ آٹھ سال تک جیل میں رہے۔ لیکن رہائی کے بعد انھوں نے پھر تبلیغی اور اصلاحی کام شروع کر دیا۔

افغانستان کے پہاڑی علاقوں، خصوصاً غور اور غزنیستان، خراسان اور ماوراء النہر میں مسلم عوام جیسے کپڑا بننے والے، کسان اور مزدور اور دوسرے پیشہ ور لوگ ان کے خصوص اور اُن کی تعلیم سے متاثر ہو کر ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور اُن کی حیأت ہی میں اُن کے پیرو وسط ایشیا، موجودہ افغانستان اور ایران اور خراسان میں پھیل گئے۔ اُن کی تعلیمات اور عقائد کا گائڈ اور اہم ماخذ ابو عبد اللہ محمد بن کرام کی تصنیف ”عذابِ ابقرہ“ تھی۔ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس کو اُن کے مخالفین نے ضائع کر دیا۔ اس لیے کہ اس کا سراغ دنیا کے کسی کتب خانہ میں نہیں ملتا۔ کرامیہ فرقہ کی واقفیت کے لیے ہمارے پاس براہِ راست ان کی تصنیفات نہیں ہیں اس لیے غیر کرامیہ مصنفین کی کتابوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے بعض نے ان کی صحیح تصویر پیش کی ہے تو بعض نے کسی وجہ سے ان کی ترفیض اور مذمت کا رویہ اختیار کیا ہے۔ اُن کے مخالفین کی تحریروں کے مطابق ابو عبد اللہ محمد بن کرام کا اللہ تعالیٰ کا تصور قابلِ اعتراض تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ انھوں نے تجسیم اور تشبیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو انسان کا روپ دے دیا تھا جو قرآنی تعلیم کے خلاف ہے۔ مزید برآں اُن کے نزدیک اللہ تعالیٰ عرش پر متمکن ہے جیسے کہ ادہ سے بنا ہوا انسان

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ”غذابِ ابقہ“ کتاب میں مصنف نے قرآن میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ان کو ان کے ظاہری معنوں میں لیا ہے اور ضرورت سے زیادہ اپنی تشریح اور توجیہ پر زور دیا ہے جس کی بنا پر علما کو ان پر تنقید کرنی پڑی تھی۔

عہدِ وسطیٰ کے مورخین کی طرح دورِ حاضرہ کے اسکالرز نے بھی ابو عبد اللہ محمد بن کرام کے مذہب اور تعلیمات کے متعلق مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں پروفیسر محمد حبیب نے اپنے انگریزی مقالہ ”شہاب الدین آف غور“ میں کرامیہ فرقہ کا حوالہ دیا ہے کیونکہ ابتدا میں سلطان کا اس سے تعلق تھا انھوں نے شہرستان کی مشہور تالیف ”کتاب الملل والنحل“ کی بنا پر لکھا ہے کہ ”اس فرقہ کا بانی ابو عبد اللہ کرام شہرستان یعنی سیستان کے ایک پاکیزہ لیکن جاہل شخص تھے۔ انھوں نے ہر مذہب سے کچھ نہ کچھ لے کر اپنی کتاب میں شامل کر لیا تھا۔ اور عز جنٹان، غور اور تراسان کے جاہل عوام میں مقبولیت حاصل کرتی تھی۔ اس طرح ایک نیا فرقہ پیدا ہوا۔ بعد میں سلطان محمود بن سلجوق نے اس (فرقہ) پر بہت زیادہ نوازش کی۔ شیعہ اور کٹر سنی دونوں ہی کو کرامیہ (کے علماء) کے ہاتھوں سخت اذیت اٹھانی پڑی۔ کرامیہ کا عقیدہ ایسے خدا کا تھا جو کہ مادہ (سے بنے ہوئے انسان) کی طرح ہو۔ وہ فکری طور پر خارجی فرقہ کے قریب تھے۔ ہمارے خیال میں کرامیہ کا شمار صفتی فرقہ کے پیروں میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ ابو عبد اللہ بن کرام اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت میں اعتقاد رکھتے تھے۔ ان کے یہاں اللہ تعالیٰ کا تصور مادی انسان کا ساتھ تھا۔ پروفیسر حبیب مزید خیال آرائی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کرامی نہ تو سنی تھے اور نہ ہی شیعہ وہ (اسلام سے) نابلد مسلمان (Muslim bagan) تھے۔ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ کرسی (عرشی) پر اسی طرح ٹھکنے تھے جیسے کہ (قبل اسلام وسط ایشیا کے لوگوں کے نزدیک) گوتم بدھ کنول پر بیٹھے ہوئے (تصور کیے جاتے تھے) (قبل اسلام غور و عز جنٹان کے دیوناؤں کی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی انسانی صفات تھیں) خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب ”سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات میں پروفیسر حبیب کی رائے کو من و عن مان لیا ہے۔“

۱۔ محمد حبیب، سلطان شہاب الدین آف غور (انگریزی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جرنل، نمبر ۱۰، جنوری ۱۹۳۲ء

ص ۵۱ تا ۵۰، مزید نوٹ ۵۲، ۵۱ ایضاً

۲۔ خلیق احمد نظامی، سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی، ۱۹۵۶ء، ص ۱۲، ۱۳

۱۹۶۲ء میں انگلینڈ کے اسکالر سی۔ ای۔ بومور تھے نے کرامیہ فرقہ پر زیادہ دیدہ ریزی سے سے تحقیق کی۔ انھوں نے دہویں اور گیارہویں صدی عیسوی کے پورے لٹریچر کا تنقیدی مطالعہ کر کے کرامیہ فرقہ کی صحیح تصویر پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ وہ کرامیہ فرقہ کے پیروں کو -*lites* -*realist* - بتاتا ہے یعنی ”جو قرآن کی آیات کا ظاہری معنی لیتے ہیں۔ ان کا مقالہ لکھا گیا رہوں صدی عیسوی تک کا احاطہ کرتا ہے۔

دراصل ابو عبد اللہ محمد بن کرام فقہی مسلک کے اعتبار سے سنی مسلمان تھے۔ اُن کا اجتہاد امام ابو حنیفہؒ کے مرتب کیے ہوئے اصول پر مبنی تھا۔ وہ ابو حنیفہؒ سے عقیدت رکھتے تھے اور اُن کے فقر سے متاثر ہو کر بہت ہی سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن چونکہ اُن کے ہم عصر سنی فقہاء، سلاطین کے درباروں سے منسلک ہو کر سلاطین کے مفادات کو مدنظر رکھ کر قوانین کی توجیہ کرتے تھے اور عیش و آرام کے سادی ہو گئے تھے وہ ابو عبد اللہ محمد بن کرام کے لیے کوئی اچھا نمونہ یا قابل تبعاع نہیں تھے بلکہ اسی طرح کے علماء ان کی تنقید کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ وہ اسماعیلی شیعہ فرقہ اور معتزلہ کے اس لیے خلاف تھے اور ان کو اسلام کے زہر سے خارج سمجھتے تھے کہ یہ دونوں فرقے قرآنی آیات کی تشریح یا توجیہ عقلی انداز میں اور غیر اسلامی اثرات کے تحت کرتے تھے۔ شیعہ فرقے سے توحید اور طہارت کے مسائل میں بھی انھیں اختلاف تھا۔ مثلاً کرامیوں کے نزدیک مسلمان ہونے کے لیے توحید پر ایمان لانا کافی تھا لیکن اس کے برعکس شیعہ (غالباً اثنا عشری) توحید کے ساتھ طہارت کو بھی لازمی قرار دیتے تھے۔ جب مشہور عرب سیاح اور جغرافیہ کے ماہر المقدسی خراسان اور وسط ایشیا کی سیاحت کر رہے تھے تو ان کی کرامیہ فرقہ کے علماء سے ملاقات ہوئی جن کی درویشانہ طرز زندگی اور مذہبیت سے وہ کافی متاثر ہوئے لہذا وہ کرامیہ فرقہ کے پیروں کو راسخ العقیدہ سنی مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ کرامیہ درویشی (یعنی فقر) کے قابل میں اور دنیاوی عیش و عشرت سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ امام ابو حنیفہؒ کی شخصیت اور تعلیمات سے متاثر ہیں۔ جو شخص امام ابو حنیفہؒ یا امام مالکؒ یا امام شافعیؒ اور یا عظیم محدث (امام احمد بن حنبل)ؒ

۱۹۶۲ء میں انگلینڈ کے اسکالر سی۔ ای۔ بومور تھے۔
The Rise of Karamiyah in Khurasan.

Muslim World Vol. 1, 1960, 53, 5-14-

سے رہنمائی حاصل کرتا ہے وہ اپنے ذہنی افکار میں تشدد دانہ رویہ اختیار نہیں کر سکتا۔ وہ حضرت معاویہؓ کی محبت میں بھی شدت اور غلو کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے تصور میں نہ تو تجسیم کے تصور کو داخل کرتے ہیں اور نہ انسانی صفات ہی کو اس پر محمول کرتے ہیں۔ ایسے شخص کو بدعتی (یا گمراہ) نہیں کہا جاسکتا۔

المقدسی شیعہ اور کرامیہ فرقہ کے پیرووں کے باہم مذہبی تنازعہ کا بھی ذکر کرتے ہیں جو کہ نیشاپور میں اُن کے زمانہٴ قیام میں جاری تھا۔ اسی طرح انہوں نے شہر ہرات میں کرامیہ اور عملیہ فرقوں کے پیرووں میں تنازعہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ کرامیوں کو شیعہ فرقہ سے اس بات پر اختلاف تھا کہ طہارت ایمان کا جز ہے تو عملیہ فرقہ کے پیرووں سے وہ عمل کے مسئلہ پر اختلاف کرتے تھے۔ کرامیوں کا عقیدہ تھا کہ توحید کو صدق دل سے ماننے اور کلمہ شہادت کا اعلان کرنے پر آدمی کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے برعکس اس کے عملیہ فرقہ کے لوگ عمل کو بھی جزو ایمان تصور کرتے تھے۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ یہ تنازعہ صرف دینی فکر سے تعلق رکھتا تھا۔ عمل میں کرامیہ طہارت اور عمل میں کسی سے کم نہیں تھے۔ کرامیوں کے فقر اور درویشانہ زندگی سے متعلق مواد معاصر لٹریچر میں ملتا ہے اسی بنیاد پر دروہ حاضر کے روی اسکا لبر بار تھولڈ نے ان کو *Pielist* (گوشہ نشین عابد) کہا ہے۔ لیکن بوسور تھ کو اُن سے اختلاف ہے۔ وہ انہیں گوشہ نشین نہیں مانتے اس لیے کہ کرامیہ علماء ہمیشہ فعال مبلغ ہے ہیں وہ اپنے مخالفین سے بحث و مناظرہ میں بھی سرگرم رہتے تھے۔

سہ یہ بات دلچسپ ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں غالباً شیعہ شراکے رد عمل میں سنی مسلمان حضرت معاویہؓ بن ابوسفیانؓ کی محبت میں شدت سے کام لینے لگے تھے۔ لیکن سنجیدہ اور متعادل مزاج کے سنی اشراف شدت کے قائل نہیں تھے لیکن تیرہویں صدی ہجری تک سینوں پر بھی شیعوں پر ویگنڈے کا اثر ہونے لگا تھا۔ کم از کم زید بن معاویہ کے سلسلہ میں غلط روایات واقعات کی شکل اختیار کر گئیں تھیں۔ مثلاً ۲۵۹ھ میں منہاج سراج حضرت معاویہؓ کے حضرت علی سے اختلافات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کا اختلاف اجتماع کی بنا پر تھا لیکن زید کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ سورکا گوشت بھی کھاتا تھا۔

منہاج سراج جو زبانی، طبقات نامری۔ کابل، ۱۹۶۲ء جلد اول۔ ص ۹۳-۹۴

سہ ملاحظہ کیجئے سی۔ ای۔ بوسور تھ کا حوا جس میں المقدسی کا اقتباس انگریزی ترجمہ میں پیش کیا گیا ہے۔ Muslim

۳۹. world, vol. ۱, 1960, pp. 6-7

۳۹ ایضاً ص ۸

الطبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی کے اخیر اور گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز پر کرامیہ فرقہ کی مقبولیت اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ غزنی کے فرماں روا امیر سلجوقی اور اس کا بیٹا سلطان محمود نے اس زمانہ میں کرامیہ فرقہ کی سرپرستی کی۔ ان کے اثر و رسوخ کی بنا پر مقررہ اور اسماعیلی شیعہ کے داعی خراسان میں سختی سے دبا دیے گئے یا قتل بھی ہوئے۔ تاریخ سیستان کے نامعلوم مؤلف کے مطابق امیر سلجوقی کرامیہ مسلک کا ماننے والا تھا۔ جب سیستان میں خانہ جنگی شروع ہوئی اور امیر خلیف نے اپنے سیاسی حریف امیر حسین کا محاصرہ کیا تو آخر اند کرنے سلجوقی سے فوجی مدد مانگی۔ جب سلجوقی نے امیر حسین کی مدد کے لیے اپنی فوج کے ساتھ سیستان کی جانب بڑھا تو امیر خلیف نے تحفہ کے ساتھ اس کو راستے میں یہ پیغام بھیجا کہ امیر حسین زندیق ہے۔ چونکہ سلجوقی کرامی تھا، لہذا وہ راستے سے ہی بست کی طرف واپس ہو گیا۔

سلجوقی کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمود نے بھی کرامیہ علماء پر اپنی نوازش جاری رکھی۔ اس کے ابتدائی زمانے میں کرامیہ عالم ابو بکر محمد کا سیاسی وقار خراسان میں بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ نیشاپور میں رہتے تھے اور ہر اس بات کا سدباب کرتے تھے جو کہ شریعت کے خلاف نظر آتی تھی۔ اسماعیلی اثر کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے اسماعیلی داعیوں کا قلع قمع کر دیا تھا۔ جو نج سکے وہ خراسان سے بھاگ گئے تھے۔ شریعت ہی کے احترام کے سلسلے میں ان کے نیشاپور کے عظیم صوفی بزرگ شیخ ابوسعید ابن ابی الخیر سے بھی تنازعہ رہا وہ خالقہا ہی ماحول کے خلاف تھے کیونکہ وہاں پر غیر مسنون ریاضتیں اور اعمال روارکھے جاتے تھے غالباً غزنوی حکمرانوں کے دوستانہ اور عقیدت مندانہ رویہ کے اثر میں معاشرہ ابوالفتح ہستی نے کرامیہ فرقہ کی تعریف میں عربی زبان میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے :

والدین دین محمد بن کرام	الفقہ فقہ ابی حنیفہ وحدہ
لمحمد بن کرام غیر کرام	ان الذین اراہم لم یومئوا

لہ تاریخ سیستان (جو کہ ۱۰۵۲ء سے ۱۳۳۲ء تک کا احاطہ کرتی ہے) مرتبہ ملک الشعراء بہار، طہران ۱۳۵۵ شمسی ۳۲۵

۱۱-۱۰-۱۱

۱۱۰۰ عیسیٰ، تیرہویں صدی عیسوی کا فارسی ترجمہ ایران میں ۳۹۲ تا ۳۹۳

(ترجمہ: واحد اور صحیح فقہی مسلک امام ابوحنیفہ کا ہے۔ جیسے کہ صحیح ذہبی مسلک مجاہد کرام کا ہے۔ وہ لوگ جو کہ مجاہد کرام کے ذہنی مسلک سے انحراف کرتے ہیں جیسا کہ میں نے مشاہدہ کیا ہے بے کرام یعنی گمراہ ہیں۔)

لیکن ۱۱۱۲ء میں سلطان محمود کارویہ کرامیہ فرقہ کے سلسلے میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی وجہ العبطی نے یہ بتائی ہے کہ جب قاضی ابو العلاء صاعد بن محمد حج کا فریضہ ادا کرنے کے بعد بغداد سے عباسی خلیفہ کا پیغام لے کر سلطان کے پاس غزنی پہنچے تو انہوں نے سلطان کو بتایا کہ کرامیہ فرقہ کی تعلیمات قرآن اور سنت کے خلاف ہیں۔ خاص طور پر تحسیم اور تشبیہ کا مسئلہ کہ اللہ تعالیٰ کا انسان کا ساجسم اور روپ ہے غلط ہے۔ ان کا اعتراض تھا کہ انسانی صفات کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی ہر مخلوق سے مختلف اور بالاتر ہے سلطان محمود جو کہ مذہب اور شریعت کا احترام کرتا تھا اُس نے ابو بکر محمد کو نیشاپور سے بلایا۔ ان کے آنے پر ان کا قاضی صاعد سے مناظرہ ہوا۔ ابو بکر محمد نے سب الزامات کی تردید کی اور کہا کہ ان کے عقائد کا تجسیم اور تشبیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انتقامی جذبہ کے تحت انہوں نے قاضی صاعد کو معتزلہ بتایا۔ مناظرہ کی کارروائی کا جو نتیجہ نکلا وہ قاضی صاعد کے حق میں تھا۔ اگرچہ سلطان نے ابو بکر محمد کو کوئی سزا نہیں دی لیکن یہ فرمان جاری کیا کہ اس کی قلمرو میں کرامیہ علماء کو مدرسوں سے برطرف کر دیا جائے۔ اس واقعہ کے بعد ابو بکر محمد کا سیاسی اثر ختم ہو گیا اور وہ گوشہ نشین ہو کر عبادت اور ریاضت میں منہمک ہو گئے اور آخر عمر تک عبادت ہی میں مصروف رہے۔

گیارہویں صدی عیسوی کے بعد تیرہویں صدی عیسوی کی ابتدائی دہائیوں تک کرامیہ فرقہ کا اثر ماوراء النہر، خراسان، غور اور اس سے وابستہ علاقوں میں باقی رہا کہ کرامیہ علماء برابر درس و تدریس میں مصروف رہے۔ منہاج سراج جو زجاجی جن کی پرورش غور کے دارالخلافہ مہر و زکوة میں شاہی محل میں ہوئی اور جو خراسان اور افغانستان پر منگولوں کے سیاسی غلبہ کے بعد ۱۲۲۶ء میں ہندوستان میں پناہ کے لیے آئے وہ لکھتے ہیں کہ غور کے سلاطین ”برطریق مذہب کرامیان“ قائم رہے۔ لیکن ان سلاطین میں صرف سلطان

۱۔ تاریخ یعنی (فارسی ترجمہ) ص ۳۹۲ تا ۳۹۴

۲۔ منہاج سراج جو زجاجی۔ طبقات ناصری، ۶۰ ج ۱، ۱۹۶۳ء، جلد اول، ص ۳۷۷

علاء الدین جہاں سوز نے اپنی حیات کے آخری سالوں میں قرامطہ (یعنی اسماعیلی) شیعہ فرقہ کی تعلیم سے متاثر ہو کر ان کے داعیوں کو غور آنے کی دعوت دی اور ان کے مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں دلچسپی ظاہر کی۔ لیکن سلطان کی موت کے بعد اس کا بیٹا اور جانشین سلطان سیف الدین محمد بن حسین جو کہ ”دیندار و سنی“ و در اسلام صلب بود“ اُس نے تخت نشین ہونے کے بعد اسماعیلی داعی جو کہ الموت سے آئے تھے اور جن کو جو زجانی ملاحہ کہتے ہیں سب کو قتل کر دیا اور فرمان جاری کیا کہ ”جن کاؤں میں بھی ان کا اثر پایا جائے اس کو مٹا دیا جائے اس طرح لمحہ کشی کر کے سب کو جہنم پہنچا دیا گیا۔ جو زجانی کے بیان کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ کرامیہ فرقہ کے پیروؤں کو سنی تصور کرتے تھے۔ جیسا کہ بعد میں سلطان غیاث الدین محمد بن سام اور اس کے چھوٹے بھائی سلطان معز الدین محمد بن سام (جن کو عام طور پر شہاب الدین غوری کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے) کے احوال سے بھی واضح ہوتا ہے۔

بارہویں صدی کے نصف آخر میں کرامیہ علماء میں سب سے ممتاز عالم امام صدر الدین علی ہیسعم نیشاپوری تھے اور شہر افشین (علاقہ عزستان) کے مدرسہ میں صدر معلم تھے۔ اسی دور میں سلطان وقت غیاث الدین محمد بن سام (م۔ ۱۲۰۷ء) نے قاضی وحید الدین مروارودی شافعی کے زیر اثر کرامیہ مسلک کو ترک کر کے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔ اس سے پہلے سلطان کے چھوٹے بھائی سلطان معز الدین محمد بن سام (یعنی شہاب الدین غوری) نے غزنی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد حنفی مسلک اختیار کر لیا تھا۔ لیکن بڑے بھائی کے شافعی ہونے پر امام صدر الدین نیشاپوری کو بڑا صدمہ ہوا۔ انھوں نے سلطان کے خلاف طنزیہ قطعہ نظم کر کے اس کے پاس بھیج دیا۔ یہ قطعہ دلچسپ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرامیہ فرقہ کے

۱۰۷ ایضاً، ص ۳۶۲

۱۰۷ طبقات تہامی، ج ۱، ص ۳۵-۳۵۱

مناہج سراج تبدیلی مسلک کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سلطان نے رات کو خواب میں دیکھا کہ وہ قاضی وحید الدین مروارودی کے ہمراہ مسجد میں داخل ہوئے۔ ناگاہ امام شافعی تشریف لے آئے اور محراب کے نیچے پہنچ کر نماز کی امامت کی۔ قاضی اور سلطان نے اُن کے پیچھے نماز ادا کی۔ صبح کو بیدار ہونے پر قاضی مروارودی کو تذکر کے لیے بلایا منبر پر بیٹھتے ہی قاضی نے خواب کی تفصیل بیان کی جو کہ اس نے سنی دیکھا تھا۔ اس پر سلطان نے قاضی کا ہاتھ پکڑا اور شافعی ہونے کا اعلان کر دیا۔

علماء حنفی مسلک کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں خراسان میں شافعی مسلک کے ماننے والے تجارت پیشہ لوگوں میں ملتے تھے۔ ایران اور وسط ایشیا کے حکمران زیادہ تر حنفی مسلک کے پیرو تھے۔ لہذا اپنے قطعہ میں امام صدر الدین نے یہی طنز کیا کہ اگر بادشاہ کو مسلک ہی بدلنا تھا تو حنفی ہو جانا چاہیے تھا۔ خراسان میں تجارت پیشہ لوگوں میں کثرت سے شافعی مسلک کے پیرو میں گے جو کہ بادشاہوں کے حملات کے دروازوں پر منتظر رہتے تھے اور وہ مسلک کی تبدیلی کی وجہ سے حشر کے دن بادشاہوں میں تنہا شافعی ہوگا جس پر امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور اللہ کو بھی خوب نہیں معلوم ہوگا۔ قطعہ دھچپ ہے اس لیے نقل کیا جاتا ہے۔

در خراسانی خواجہ گوہ شافعی بسیار بود	بر در ہر خسروی، ای خسرو صاحب نشان
لیک اندر ہفت کشور بادشاہ شافعی	بہتر کہ معلوم کن تا ہیچکس دارد نشان؛
و ز کسی گوید خلیفہ شافعی مذہب بود	حاشی اللہ بیچ زیرک را نباشد ایس گمان
مذہب عباس را ندر خلافت بی خلاف	حاجتی بود محی الف ذکر ایس معنی بدان
زو خلافت آخروجو دپس سیرت پورینت	در شتار صیغۃ اللہ ایس تصور کی توان
کی کند ہرگز خلیفہ جز یہ عباس اقتدا	کی نزد ہرگز (خلافت) جدو عم زان خاندان
(پس تو باری چون پیر را خواستی کردن مظلما	چون ز فنی بر شتار و راہ دیگر خسروان)
ورن آن کردی و فی دن دجہان خود بگذرد	حجتی باری طلب کن ہر عذر آن جہان
تا چو کہس با امام اہل خیزد روز حشر	تو درین تقلید خود تنہا بمانی جاودان
شافعی ولو حنیفہ واللہ ایس خوانند گفت	خوب نبود بی سبب زان در بدین زین در بیان

قطعہ سن کہ سلطان امام صدر الدین علی نیشاپوری سے ناراض ہو گئے سلطان کی ناراضگی سے خائف ہو کر امام صدر الدین علی نیشاپوری افشین سے بھاگ کر نیشاپور چلے گئے وہاں ایک سال کے قیام کے بعد انھوں نے سلطان کی اعلیٰ صفات کی تعریف میں دوسرا قطعہ کہا اور اس کو سلطان کے پاس بھیج دیا۔ اس قطعہ سے سلطان اس قدر خوش ہوا کہ اس نے امام کو اپنے دربار میں بلا کر اپنے مصاحبین میں شامل کر لیا۔ دراصل تبدیلی مسلک کے باوجود سلطان عیاش الدین محمد بن سام بڑا فرخ دل، انصاف پسند، علم دوست اور عالم نواز فرما رہا تھا۔ مہناج سراج جو زجانی کے مطابق اس کے دربار سے متعلق علماء اور شہر اہل مختلف مسلک

کے پیرو تھے وہ سب کی قدر دانی کرتا تھا۔ صرف قرامطہ فرقہ کے علماء سے پرہیز تھا۔ منہاج جو زجانی اس کی داد و دہش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خراسان اور وسط ایشیا اور ہندوستان کے فضلا کو بھی ہر سال وہ تھے اور روپیے بھیجتا تھا۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ کرامیہ فرقہ کا اثر و رسوخ غور اور خراسان میں تیرہویں صدی کے آغاز تک قائم رہا۔ لیکن ۱۲۱۹ء میں وسط ایشیا اور خراسان پر منگولوں کی فتح اور وہاں کے عظیم شہروں میں قتل و غارت گری کی وجہ سے مختلف مکاتب فکر سے متعلق مسلم شاہیہ منتشر ہو گئے تھے۔ ثقافتی مراکز تباہ و برباد ہو گئے تھے اور جو علماء اور فضلاء بچ گئے تھے ان میں سے زیادہ تر ہندوستان اگر پناہ گزین ہو گئے تھے۔ ہندوستان میں نئی سلطنت کے حکمران حنفی مسلک کے پیرو تھے اور چونکہ کرامیہ بھی امام ابو حنیفہ سے عقیدت رکھتے تھے لہذا یہ عین ممکن ہے کہ وہ سب حنفی سنی مسلمانوں کی جماعت میں مدغم ہو گئے ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی کی تاریخ کی کتابوں یا علماء اور صوفیاء کے تذکروں میں کسی کرامیہ عالم کا ذکر نہیں ملتا۔

کرامیہ فرقہ کے بانی کے سلسلے میں منہاج جو زجانی کے رویہ کا بھی ذکر بے محل نہ ہوگا۔ منہاج جو زجانی جو کہ حنفی فقہ کے ماہر ہونے کی وجہ سے سلطنت دہلی میں مدرسہ ناصر صی کے صدر معلم، قاضی القضاہ اور صدر الصدور کے اہم عہدوں پر سرفراز رہے اور ضیاء الدین برنی کے مطابق سلطان بلبن کے عہد میں صدر کے اعلیٰ عہدے پر ہی انھوں نے انتقال فرمایا۔ انھوں نے اپنی تالیف میں ابو عبد اللہ محمد بن کرام کا بڑے اہتمام کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ان کے نام کے بعد رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کو راجہ اقصیہ سنی اور متقی بزرگ مانتے تھے جبکہ وہ اہل علی فرقہ کے لوگوں کو ملاحظہ لکھتے ہیں۔

اخر میں یہ اعتراف کرنا ضروری ہے کہ نویں صدی عیسوی سے تیرہویں صدی عیسوی کے آغاز تک کرامیہ علماء نے اہم تاریخی رول ادا کیا تھا۔ انھوں نے درس و تدریس اور تبلیغ دین کے ذریعہ اسلامی علوم اور تعلیمات سے نادار پیشہ ور مسلمانوں کو روشناس کیا۔ اس زمانہ میں اشرف اور پست طبقات کے درمیان خلیج واقع ہو گئی تھی۔ مسلم سلاطین ہماہمی

نا برابر یوں کے نظام کو برقرار رکھنے میں دُپسی رکھتے تھے۔ حصولِ تعلیم صرف انفرادی کے خاندانوں کے افراد کا کام تصور کیا جاتا تھا۔ جہالتِ پیشہ ور لوگوں کی قسمت کا نوشتہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن کرامیہ علماء کے مدرسوں میں سب طبقات کے بچے اور طلباء، حصولِ علم کے لیے آتے تھے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ابو عبد اللہ محمد بن کرام اور اُن کے پیروؤں کی توجہ کلامِ کریم پر تھی۔ لیکن اس رویہ نے معاشرہ کے پچھڑے ہوئے لوگوں کو معاشی اور ثقافتی طور پر ابھرنے کا موقع بہم پہنچایا اور اس طرح نیچے سے سماجی (Social) mobility بڑھ سکی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں وارد علماء و فضلا اور امراء میں ایسے لوگ بھی شامل تھے کہ وہ خاندانی طور پر نیچے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن علمی صلاحیتوں اور تہذیب اور شائستگی کی بنا پر انھوں نے ہندوستان اگر اپنے آپ کو شیخ اور سید کی حیثیت سے متعارف کرایا اور سلطنت کے نظم و نسق میں نمایاں عہدوں کو حاصل کیا۔ ضیاء الدین برنی کے مطابق سلطان التمش کے مشہور علم دوست اور دین پرور وزیر نظام ملک جنیدی سُلطان پرتیبا تھے لیکن انھوں نے ہندوستان میں اپنے کو عربی النسل بتایا تھا۔

۱۔ ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی۔ مرتبہ سر سید احمد خاں، مکتبہ ۱۸۶۲ء، ص ۲۶-۳۷

مکتبہ تحقیق

سے آپ تفسیر و حدیث کی یہ کتابیں طلب کر سکتے ہیں

۱۔ تفسیر القرآن مکمل سیٹ ۶ جلدوں میں۔
۲۔ فی ظلال القرآن (اردو ترجمہ مولانا سید حامد علی) اول، دوم، سوم، پارہ عم۔

۳۔ ترجمان القرآن مکمل سیٹ ۳ جلدیں ۳۰۰/-

۴۔ ابوداؤد (اردو ترجمہ مکمل متن) ۳ جلدیں ۲۷۵/-

۵۔ مشکوٰۃ المصابیح " " ۲۲۵/-

۶۔ ترمذی " " ۲ جلدیں ۲۱۰/-

۷۔ مسلم " " ۳ جلدیں ۳۲۵/-

ملنے کا پتہ: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی - پان والی کوٹھی - دودھ پور - علی گڑھ - ۲۰۲۰۰